تاثرات

کچھ دن اور گزرتے ہیں کہ افغانستان میں جہاد کا آغاز ہوئے دس برس ہو جائیں گے ۔ یہ دس سال امت مسلمہ کی تاریخ کے عظیم ترین برسوں میں شمار کئے جانے چاہیں ، کیونکہ ان برسوں میں افغانیوں اور ان کے ساتھ امت مسلمہ کے دیگر افراد نے کم از کم ہزار برسوں کا فرض ادا کیا ہے اور یہ عظیم جد و جہد جو آج امت مسلمہ کی کلاہ فخر ہے ، صرف اس امت ہی کی نہیں انسانیت کی عظیم ترین امانتوں میں شمار ہونے کے لائق ہے ۔ اس جدوجہد نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے اندر آزادی کی جبلت ہر شے سے بڑھ کر قیمتی اور ہر متاع سے زیادہ قابل تحفظ ہے ۔ کم و بیش تیرہ لاکھ آدمیوں کی قربانیاں اور پچاس لاکھ کی ہجرت ، آزادی کی ایک ایسی قیمت ہے جو دنیا میں قوموں کو غلام بنانے کی رسم کا اختتامیہ ثابت ہو سکتی ہے ۔ یہ امر موجب شکر ہے کہ عہدِ جدید میں بھی اس عظیم جدوجہد کا فخر ملت اسلامیہ کے حصے میں آیا اور یہ مثال اس امت سراپا رحمت کے مرکز میں قائم ہوئی ۔ جہاد افغانستان ، امت مسلمہ کے لئے آنے والی صدیوں میں گہرے مضمرات ظاہر کرے گا اور تاریخ کی حرکت کو ایک نئی سمت دے گا؛ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا جسے آج ہم تیسری دنیا ک نام دیتے ہیں . اس کے اندر بھی یہ احساس پیدا کرے گا کہ اتنی بڑی جدوجہد اس بے سروسامانی کے عالم میں کس طرح شروع کی گئی اور کیسے بظاہر ناممکن امر تکمیل کی طرف گامزن ہے ۔ یہ بات درست ہے کہ آج کی دنیا میں انسان کے خدا پر مکمل ایمان کی راہ میں سپرطاقتوں کا ہَوّا حائل تھا ۔ آج کے انسان کی ذہنی تربیت جس اسباب پرستی کی فضا میں ہوتی ہے ، اس میں یہ بات قطعی ناقابل تصور تھی کہ ایک بے سروسامان قوم اتنی بڑی طاقت سے ٹکرا

کر نہ صرف یہ کہ بچ جائے گی ، بلکہ اسے الٹے قدموں بھاگنے پر مجبور کر دے گی ۔ روس کی اس عبرت انگیز شکست سے عہد جدید کے انسانوں کی نفسی کیفیت میں کیا تبدیلیاں آ رہی ہیں اور آئیندہ ان تبدیلیوں کی نہج کیا ہو گی ، یہ اپنی جگہ جدید نفسیات کا ایک دلچسپ موضوع ہو گا ۔ پاکستانی ماہرینِ نفسیات کو چاہیے کہ اس بات کا اندازہ بھی لگائیں کہ جہاد افغانستان نے پاکستان کے قومی باطن پر کیا اثرات چھوڑے ہیں اور اگر اس سمت میں سفر جاری رہا تو یہ اثرات ہمارے قومی کردار کی تعمیر میں کس اعتبار سے اہم ہوں گے ۔ ہر جہاد اپنی جگہ ایک چیلنج ہوتا ہے جس کے جواب میں کسی قوم کا اصلی جوہر سامنے آتا ہے ۔ پاکستان اور اس کے عوام ہمہ وقت اس جہاد میں شریک رہے اور آج بھی ہیں ۔ اس شمولیت کا آخری اور مکمل فتح سے قبل ختم ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ، اس لئے کہ پاکستان کے عوام کی اس میں شمولیت کسی دنیوی لالچ سے نہیں بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ رہی ہے اور اس لئے کسی دنیوی مصلحت کے پیش نظر اس جہاد سے گریز پائی میدانِ جنگ سے فرار جیسی حرکت ہو گی اور یہ اپنے رب سے کئے گئے معاہدے کو توڑ نے کے مترادف ہو گا ۔

اس پس منظر میں جہاد افغانستان پر نظر ڈالتے ہوئے ہمارے ذہن میں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے ۔ کیا اس جہاد کا کوئی علمی پہلو بھی ہے ؟ کیا اس میں کچھ ایسے امکانات بھی تھے اور ہیں جن میں ارباب علم اور اہل تحقیق کو دلچسپی ہو سکتی تھی ؟ اگر ایسے پہلو موجود ہیں تو ہمیں دیکھنا ہو گا کہ ہماری روایت علم نے اپنے ذمے عائد یہ فرض کس حد تک پورا کیا ہے ۔ یہ درست ہے کہ آئیندہ جہاد افغانستان کے مختلف پہلو ڈاکٹریٹ کے بہت سے مقالات کا موضوع بنیں گے لیکن آج جب کہ بین الاقوامی سطح پر اس واقعے کے مضمرات کو سامنے لانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور بعض حلقوں سے اعلیٰ معیار کا علمی کام اس موضوع پر سامنے آ رہا ہے ، کیا ہمارے مؤرخوں نے اس کا گہرا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ۔ کیا یہ امر

ہماری علمی دنیا کے لئے لائق توجہ نہیں کہ اس جہاد سے پورے علاقے کی تاریخی سمت سفر میں کیا تبدیلیاں آئیں گی اور یہ تبدیلیاں آئیندہ تشکیل پانے والی دنیا پر کس طرح اثر انداز ہوں گی ۔ کیا ہم اس امر پر مطمئن ہیں کہ اس وقت اس عظیم واقعے کو پاکستان میں جو علمی توجہ ملنی چاہیے تھی ، وہ مل چکی ہے ۔ اگر نہیں تو اس کا سبب کیا ہے ؟

ہم عصر کتابوں اور مقالوں کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالتے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ پاکستان کی علمی دنیا نے اس واقعے کی طرف افسوسناک بے توجہی کا مظاہرہ کیا ہے ۔ اہل علم نے اس موضوع کو روزناموں اور ہفتہ وار جریدوں کے سپرد کر دیا ہے ۔ مغرب کی استخواں فروش خاور شناسی کے اثر سے پیدا ہونے والی روایت علم نے ہمارے ارباب تحقیق کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا رکھی ہے کہ ہم عصر تاریخ کا کوئی بھی واقعہ ، چاہے وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو ، کسی بڑے علمی کام کے شایان شان نہیں ۔ چنانچہ عین اس وقت جب ہم سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر امتِ مسلمہ کی آئیندہ سمت سفر اور مملکتوں کی تقدیروں کے فیصلے ہو رہے ہیں ، عالم قبال میں یہ امر طے ہو رہا ہے کہ ہماری آئیندہ نسلیں آزادی کی فضا میں سانس لیں گی یا غلامی کی تاریکیوں میں دفن ہو جائیں گی ، ہمارے زیادہ تر ارباب علم گیارھویں صدی کے کسی گم نام شاعر کے گمشدہ دیوان کی تلاش میں منہمک ہیں ۔ یہ موضوع اپنی جگہ سزاوار تحقیق ہو گا لیکن دنیا میں ہر شے کا حسن احساسِ تناسب سے عبارت ہے ۔ کیا امت مسلمہ اور اس کی عطاکردہ روایت علم موجودہ زمانوں میں ہم سے کوئی تقاضہ نہیں کرتی ؟ یہ درست ہے کہ یہ موضوع ہر آدمی کا نہیں ہو گا اور کوئی ضرورت نہیں کہ تمام اھلِ علم اس سمت کو چل پڑیں لیکن امت مسلمہ کی روایت علم پر بالعموم اور پاکستان کی روایت علم پر بالخصوص

یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عہدِ جدید میں امتِ مسلمہ کے حوالے سے اپنے منصب تحقیق کو پہچانے اور ایک ایسے تصور علم کو رواج دے جو علم نافع سے متضاد ہو ، اجتماعی اور انفرادی راستوں کے تعین میں مفید ہو اور اس ملک کی تشکیل اور استحکام میں معاون ہو ۔ جب جہاد ہوتا ہے تو وہ انسان کے پورے وجود پر طاری ہوتا ہے اور ہر شعبۂ حیات کو متأثر کرتا ہے ۔ اس لمحے شاید ہمارا علمی جہاد یہ ہے کہ ہم غور کریں کہ استعماری دنیا میں نوآبادیاتی مقاصد کے تحت پیدا ہونے والا تصور علم ہمارے لئے کتنا سازگار ہے ۔ یہاں یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ایک بے سمت اور بے مقصد تمدّن ایک بے مقصد روایت علم کو جنم دیتا ہے ۔ یہی علم غیر نافع ہے جو غیر مفید ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر صورتوں میں مضر بلکہ مہلک ثابت ہو سکتا ہے ۔ دنیا کے بامقصد تمدّنوں میں علم کی روایت اپنے تمدّن کے مقاصد سے جُڑی ہوتی ہے ۔ جہاد افغانستان اور اس سے مظاہرے کے حوالے سے ہم آج کم از کم اپنا ایک احتساب تو کر سکتے ہیں کہ ہم نے علمی سطح پر اس ہمہ گیر جہاد کے حوالے سے اپنے نقطۂ نظر کو کس حد تک تبدیل کیا ہے اور ایک نئی ، ابھرتی ہوئی اسلامی دنیا کی مصلحتِ کلیہ سے خود کو کس حد تک وابستہ کیا ہے ۔ اس وقت مسلم دنیا کو ایک نئے تصور علم کی ضرورت ہے جو اس کے انفس و آفاق کو روشن کرنے اور اسے اپنی سمت سفر متعین کرنے میں مدد دے سکے ۔ دنیا کو اپنے نقطۂ نگاہ سے سمجھنے کی کوشش اسے اپنے نقطۂ نگاہ کے مطابق بدلنے کی کوشش کا آغاز ہے ۔ اس صورت حال میں افغانستان کا جہاد اس علاقے میں عمل کی وہ روشنی ہے جس سے علم کی نئی راہیں دکھائی دیتی ہیں ۔ کیا علم کے ان راستوں کو پہچاننے کا وقت ابھی نہیں آیا؟

سراج منیر